اکبر حیدری کاشمیری

اقبال اور شاد حیدر آبادی

مہاراجا کشن پرشاد شاؔد، یمین السلطنت اور مدار المہام (۱۸۶۴ء۔۱۹۴۰ء) اردو کے ایک قادر الکلام شاعر، ممتاز نثر نگار اور اردو ادب کے مُربّی تھے۔ ان کی رفاقت اور سرپرستی میں شعراء اور ادباء کی ایک بڑی تعداد پروان چڑھی۔ وہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور عربی سے کماحقہٗ واقف تھے۔ وہ حالی، شبلی اور اکبر الہ آبادی سے بھی ایک تعلّقِ خاطر رکھتے تھے۔

دکن اور بیرون دکن کے بہت سے شعرا پیارے صاحب رشید، دولھا صاحب عروج، پنڈت رتن ناتھ سرشار، علاّمہ نظم طباطبائی، جلیل مانک پوری ان کے شکر گزار۔ اختر مینائی، ترک علی شاہ ترکی، مولانا گرامی نے یہیں نام پایا۔ غبار، ثاقب، دِتّو رام کوثری، جوش اور فانی وغیرہ حضرت شاد سے اپنے کلام کی داد پاتے رہے۔ بقول اقبال:۔

> خُوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو خرقہ پوش امیروں کی ہم بزمی میسر ہے۔ امارت، عزت، آبرو، جاہ، وحشمت عام ہے۔ مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں دل نہیں ہوتا۔

شاد علاّمہ اقبال کے بھی دلدادہ تھے۔ وہ کلام اقبال سے اتنا متاثر ہوئے تھے کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ۱۹۰۴ء کا زمانہ تھا کہ اقبال کی ایک غزل ظفر علی خان نے اپنے ماہنامہ ''دکن ریویو'' اگست ۱۹۰۴ء، ص ۲۴ میں ۱۹ شعر میں شائع کی تھی۔ مطلع یہ ہے۔

انوکھی وضع ہے سارے زمانے میں نِرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

اقبال کی غزل سے متاثر ہو کر شاد نے ۲۵ شعر کی ایک غزل اقبال کے تتبع میں لکھی جو ''دکن ریویو'' (نومبر و دسمبر ۱۹۰۴ء، ص ۱۰) میں شائع ہوئی۔ مطلع یہ ہے:

یہ سب دیر و حرم کے لوگ اپنے دیکھے بھالے ہیں
عدم آباد اک بستی ہے واں کے رہنے والے ہیں

غزل کی تمہید میں ظفر علی خان (ایڈیٹر ''دکن ریویو''۔ حیدر آباد) لکھتے ہیں:

> اگست کے ''دکن ریویو'' میں ہمارے دوستِ مکرم پروفیسر اقبال کی جو غزل شائع ہوئی تھی، اس کی بلاغت و لطافت اربابِ ذوق پر ظاہر ہوئی ہوگی۔ پچھلے دنوں جب ہمیں ایوانِ وزارت میں حاضر ہو کر ہز اکسلنسی مہاراجا سرکشن پرشاد شاؔد بالقابہم کی خدمت میں باریاب ہونے کا شرف حاصل ہوا تو جناب وزارت مآب نے فرمایا کہ غزلِ اقبال جناب ممدوح کو اس قدر پسند آئی کہ آپ نے

بھی اسی زمین میں ایک غزل کہی۔ یہ غزل جو جناب وزارت مآب نے ''دکن ریویو'' کے لیے مرحمت فرمائی ہے نہایت مسرت وافتخار سے درج کی جاتی ہے۔

شاد کی غزل کا ردِّعمل یہ ہوا کہ ستمبر ۱۹۰۵ء میں اقبال جب حصول تعلیم کے لیے یورپ کا سفر کر رہے تھے تو بحیرۂ روم کے دلچسپ نظارے سے متاثر ہوکر انہوں نے ایک غزل موزوں کی۔ مطلع یہ ہے:

مثالِ پرتوِ مے طوفِ جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

اقبال نے غزل کے ۶ شعر ''بانگ درا'' سے حذف کیے۔ انہی میں ایک محذوف شعر میں اقبال نے وزیرنظام کی قدردانی کا تذکرہ یوں کیا:

نہ قدر ہو مرے اشعار کی گراں کیونکر
پسند ان کو وزیر نظام کرتے ہیں

وزیرنظام سے مراد مہاراجا کشن پرشاد شاد ہے۔

غزل کے تقریباً پانچ سال کے بعد مارچ ۱۹۱۰ء میں جب اقبال پہلی مرتبہ حیدرآباد گئے تو مہاراجا سے ملاقات ہوئی۔ اقبال موصوف کی مہمان نوازی اور اخلاق حمیدہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ لاہور پہنچ کر ایک طویل قصیدہ ۳۹ شعر کا نظم کیا جو ''مخزن''، لاہور، جون ۱۹۱۰ء میں شیخ عبدالقادر کی تمہید سے شائع ہوا۔ شیخ صاحب لکھتے ہیں:

> دکن کے علم دوست اور ہنر پرور وزیراعظم کی اس خوبی کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے کہ اہل علم کی قدردانی ان کا شیوہ اور مشاغل علمی سے انہیں شغف ہے۔ انہوں نے جو الطاف نامہ شیخ محمد اقبال صاحب کو لکھا اس سے نہ صرف شیخ صاحب موصوف کی قدرافزائی مقصود تھی بلکہ ان کی شاعری کے لیے ایک زبردست تحریک، جس کے لیے میں بھی غائبانہ طور پر مخزن کے ناظرین کی طرف سے ہز اکسیلنسی مہاراجا صاحب بہادر کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اقبال نے خود بھی اپنے ممدوح کے قصیدے کی ابتداء میں ذیل کا تمہیدی نوٹ بھی درج کیا ہے:

> گذشتہ مارچ میں مجھے حیدرآباد دکن جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں آستانہ وزارت پر حاضر ہونے اور عالی جناب ہز اکسلنسی مہاراجا کشن پرشاد شاد بہادر جی، سی، آئی، ای یمین السلطنت پیشکار وزیراعظم دولت آصفیہ المتخلص بہ شاد کی خدمتِ بابرکت میں باریاب ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ ہز اکسلنسی کی نوازش کریمانہ اور وُسعتِ اخلاق نے جو نقش میرے دل پر چھوڑا، وہ میرے لوح دل سے کبھی نہیں مٹے گا۔ مزید الطاف یہ کہ جناب ممدوح نے میری روانگی حیدرآباد سے پہلے ایک نہایت تلطف آمیز خط لکھا اور اپنے کلام شیریں سے بھی شیریں کام فرمایا۔ ذیل کے اشعار اسی عنایت بے غایت کے شکریے میں دل سے زبان پر بے اختیار آ گئے۔ انہیں زبان قلم کی وساطت سے جناب مہاراجا صاحب بہادر کی خدمت میں پہنچانے کی جرأت کرتا ہوں۔

قصیدے کے ابتدائی نو شعر ''نمود صبح'' کے عنوان سے ''بانگ درا'' میں شامل کئے گئے۔ بقیہ تیس ۳۰ شعر حذف کیے گئے ہیں۔ ان ہی میں سے ذیل کے شعر حیدرآباد اور میر محبوب علی خان نظام دکن کی تعریف میں ہیں:

خطۂ جنت فزا جس کا ہے دامن گیر دل　　عظمتِ دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار
جس نے اِسم اعظم محبوب کی تاثیر سے　　وسعتِ عالم میں پائی صورت گردوں وقار
نور کے ذروں سے قدرت نے بنائی یہ زمین　　آئینہ ٹپکے، دکن کی خاک اگر پائے فشار

اقبال کے ذیل کے شعر مہاراجا صاحب کی تعریف میں ملاحظہ ہوں:

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گذر　　بڑھ گیا جس سے مرا ملک سخن میں اعتبار
اس قدر حق نے بنایا اس کو عالی مرتبت　　آسماں اس آستانے کی ہے اک موجِ غبار
کی وزیر شاہ نے وہ عزت افزائی مری　　چرخ کے انجم مری رفعت پہ ہوتے تھے نثار
مسند آرائے وزارت راجۂ کیواں حشم　　روشن اس کی رائے روشن سے نگاہِ روزگار
اس کی تقریروں سے رنگیں گلستانِ شاعری　　اس کی تحریروں پہ نظمِ مملکت کا اِنحصار
ہے یہاں شانِ عمارت پردہ دارِ شانِ فقر　　خرقہ درویشی کا ہے زیر قبائے روزگار
نقش وہ اس کی عنایت نے مرے دل پر کیا　　محو کر سکتا نہیں جس کو مرورِ روزگار

شکریہ احساں کا اے اقبال لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار

اقبال نے ایک اور نظم ''گورستان شاہی'' کے عنوان سے حیدرآباد کے متعلق کہی تھی جو ''مخزن'' کے اسی شمارے جون ۱۹۱۰ء میں ایڈیٹر ''مخزن'' کی اس تمہید سے شائع ہوئی:

یہ ایسی لاجواب نظم ہے جو فی الحقیقت اقبال کے دیرینہ سکوت کی تلافی کرتی ہے۔ اس کا ایک ایک مصرع درد بھرا اور معنی خیز ہے کہ دل سے واہ نکلتی ہے۔ اس نظم کے میسّر آنے کے لیے ہم اپنے قدیم عنایت فرما مسٹر حیدری کے ممنون ہیں، جن کے صحیح مذاق علمی نے شیخ محمد اقبال صاحب کو حیدر آباد میں وہ چیزیں دکھائیں جو ایک خلقی شاعر کے دل پر اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں۔ سلاطین قطب شاہیہ کے مزار، ان کے قریب گولکنڈہ کا تاریخی حصار، شب ماہ مگر ایسی شب جس میں بادلوں کے چاند کے سامنے آنے جانے سے نور و ظلمت میں لڑائی ٹھن رہی تھی۔ سچے شاعرانہ جذبات کے نشو ونما کے لیے اس سے بہتر زمین اور اس سے بہتر آسمان کیا ہوگا۔ ان جذبات کا عکس جس خوبی اور صفائی سے جناب اقبال نے اُتارا ہے۔ انھی کا حصہ ہے۔

خود اقبال نے اس نظم کا تعارف ''مخزن'' میں یوں کرایا تھا:

حیدرآباد دکن میں مختصر قیام کے دنوں میں میرے عنایت فرما جناب مسٹر نذر علی حیدری صاحب بی۔ اے معتمد محکمۂ فینانس، جن کی قابل قدر خدمات اور وسیع تجربے سے دولت آصفیہ مستفید ہو

رہی ہے، مجھے ایک شب ان شاندار مگر حسرت ناک گنبدوں کی زیارت کے لیے لے گئے جن میں سلاطین قطب شاہیہ سو رہے ہیں۔ رات کی خاموشی، ابر آلود آسمان اور بادلوں میں سے چھن کے آئی ہوئی چاندنی نے اس پُرحسرت منظر کے ساتھ مل کر میرے دل پر ایسا اثر کیا جو کبھی فراموش نہ ہوگا۔ ذیل کی نظم اِنھی بے شمار تاثرات کا ایک اظہار ہے۔ اس کو میں اپنے سفر حیدر آباد دکن کی یادگار میں مسٹر حیدری اور اس کی لائق بیگم صاحبہ مسز حیدری کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں جنھوں نے میری مہمان نوازی اور میرے قیام حیدر آباد کو دلچسپ ترین بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

تین سال کے بعد جولائی ۱۹۱۳ء میں جب مہاراجا بہادر پنجاب کی سیر کرنے لاہور پہنچے تھے تو دونوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ شاد اپنی کتاب ''سیر پنجاب'' ص ۹۱ مطبوعہ یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ ۱۹۲۳ء میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

پانچ بجے شام کے میرے دوست ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا آئے۔ بہت دیر تک لُطفِ صحبت رہا۔ بڑے مزے کی آدمی ہیں۔ خدا زندہ رکھے۔ برخوردار عثمان پرشاد طال اللہ عُمرہٗ کا مزاج اچھا نہیں ہے، اس لیے حسب مشورہ ڈاکٹر محمد اقبال، ڈاکٹر محمد حسین کو جو لاہور کے نامی ڈاکٹر ہیں طلب کر کے دکھایا۔ نو بجے پھر ڈاکٹر محمد اقبال آئے اور ان کے اصرار سے مع دو مصاحبوں کے آغا حشر کاشیری کے تھیٹر میں گیا۔

اقبال کا دوسرا سفر حیدر آباد پھر اس وقت ہوا جبکہ مہاراجا صدارت عظمی کے جلیل القدر عہدے پر دوبارہ فائز ہو چکے تھے۔ موصوف اس سفر کے بارے میں میر سید غلام بھیک نیرنگ انبالوی کو ۵ دسمبر ۱۹۲۸ء کے خط میں لکھتے ہیں:

تین لکچر امسال لکھے گئے ہیں۔ تین آئندہ سال لکھوں گا اور مدراس ہی میں دسمبر ۱۹۲۹ء یا جنوری ۱۹۳۰ء میں دوں گا۔ حیدر آباد دکن میں بھی ٹھہروں گا۔ کیونکہ عثمانیہ یونیورسٹی کا تار آیا ہے کہ لکچر وہاں بھی دیے جائیں۔

''زمانہ'' کانپور جلد ۵۲ نمبر ۲ ص ۱۲۷، بابت فروری ۱۹۲۹ء میں اقبال کے لکچروں کی تفصیلات اس طرح درج ہیں:

ڈاکٹر سر اقبال نے ''الٰہیات اسلامیہ وفلسفہ جدیدہ'' پر مدراس میں چھ خطبے دینے کا وعدہ کیا تھا مگر علالت کی وجہ سے دسمبر ۱۹۲۸ء کے آخر ہفتے میں آپ نے مندرجۂ ذیل صرف تین عنوانات ہی پر خطبے دیے۔

(۱)۔علم اور وحی والہام۔(۲)۔وحی والہام کی تصدیقات کا فلسفیانہ معیار۔(۳)۔ذات خدا کا اسلامی تصور اور دعا کا مفہوم۔ باقی تین عنوانات یعنی

(۱)۔مسئلہ جبر وقدر وحیات بعد الموت۔(۲)۔علم النفس کی رو سے اسلامی تہذیب وتمدن کا حقیقی

مفہوم اور۔(۳)۔ایک جماعت کی حیثیت سے اسلام کی تشکیل، آئندہ کے لیے ملتوی کر دئے گئے ہیں۔

بقول ڈاکٹر زور، اقبال جنوری ۱۹۲۹ء میں مدراس سے حیدرآباد آئے اور یہاں عثمانیہ یونیورسٹی کے زیر اہتمام دو لکچر دیئے۔

پہلا لکچر ۱۵ جنوری سال مذکور کو ٹاؤن ہال باغ عامہ (حیدرآباد) میں زیر صدارت مہاراجا کشن پرشاد[۱] شاد ہوا تھا۔اس موقع پر مہاراجا نے حاضرین جلسہ سے اقبال کا تعارف ان الفاظ میں کرایا:

جامعہ عثمانیہ کی دعوت پر سر اقبال کی عالمانہ تقاریر کے سلسلے میں پہلے لکچر کی صدارت میرے لیے ایک نہایت خوشگوار فریضہ ہے۔اس موقع پر صدارت کا فریضہ میرے لیے آسان یوں ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے تعارف کی اس لیے ضرورت نہیں کہ اس ملک کا ہر کہ و مہ آپ سے واقف اور آپ کے کلام سے اس مجمع کا ہر فرد اپنی استعداد اور ذوق کی مناسبت سے قدرداں ہے۔آپ کی ذات تعارف سے مستغنی اور آپ کا کلام ستائش سے بالاتر ہے۔ڈاکٹر اقبال کے ساتھ ہی ان کی تصنیفات کے انمول اور وسیع گنجینوں کا ایک ایسا لامتناہی تصور پیش نظر ہو جاتا ہے کہ عرض کلام سے گزر کر جوہر بیاں میں فکر سخنور غلطاں و پیچاں ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر اقبال جس مقصد حیات کو اپنے علم و عمل سے پورا کر رہے ہیں وہ انسانی ترقی کو دنیا کے لیے سودمند بناتے اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنے کا راستہ بتاتے ہیں۔ڈاکٹر اقبال تصوّف اور عرفان کے آغوش میں پل کر حکیم ہوتے ہیں اور ان کے حکیمانہ خطبات سے ہم کو یکساں مستفید ہونے کا اب بالمشافہ موقع ملا، جس کی ہم عزت اور قدر کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اس مجمع کا ہر برنا و پیرا اپنے معلومات میں قابل قدر اضافہ حاصل کرے گا۔

اقبال کی آمد حیدرآباد کی تقریب میں مہاراجا نے ایک خاص مشاعرہ اپنی ڈیوڑھی میں منعقد کیا۔ مشاعروں کا انعقاد مہاراجا کے لیے کوئی غیر معمولی کام نہ تھا۔ان کے یہاں یوں بھی برسوں ماہوار مشاعرے منعقد ہوتے رہے لیکن جب بیرون ریاست سے کوئی ممتاز شاعر آتا تو وہ خاص اہتمام سے بزمِ سخن مرتب کرتے تھے۔چنانچہ اس وقت بھی یہی ہوا۔چنانچہ مولوی مسعود علی محوی اپنے مضمون ''سر مہاراجا یمین السلطنت آنجہانی کے مشاعرے'' (مطبوعہ ''مجلّہ عثمانیہ'' مہاراجا نمبر) میں لکھتے ہیں کہ:

سر اقبال مرحوم کی تشریف آوری کے موقع پر جو مشاعرہ ہوا وہ بھی عجب مشاعرہ تھا۔سر مہاراجا نے اعلیٰ پیمانے پر دعوت اور مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔حیدرآباد کے تمام مشہور فارسی و اردو کہنے والے شعراء مدعو تھے۔چونکہ کوئی خاص طرح مقرر نہ تھی، اس لیے حیدر یار جنگ طباطبائی مرحوم، نواب ضیاء یار جنگ بہادر، نواب عزیز یار جنگ بہادر، مولوی مسعود علی محوی، جوش ملیح آبادی، باغ، لبیب سے مستعد اور شعراء نے اپنے خیال میں اپنا بہترین کلام سنایا، مگر سر اقبال ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔صرف محوی صاحب کے اس شعر پر:

نگاہ کردن دُزدیدہ ام بہ بزم بہ دید
میان چیدنِ گل باغباں گرفت مرا

اتنا ارشاد ہوا کہ پھر پڑھیے۔ خدا جانے کسی نقص کی بنا پر تھا یا بطور قدر دانی کے۔ جب خود ان سے کچھ پڑھنے کی فرمائش کی گئی تو بڑے اصرار کے بعد چار پانچ شعر ارشاد فرمائے۔

۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو ہندوستان کے طول وعرض میں ''یوم اقبال'' منایا گیا۔ اس دن حیدرآباد کے ٹاؤن ہال میں یوم اقبال نہایت ہی شایان شان پیمانے پر منایا گیا۔ اس موقع پر دو اجلاس منعقد کیے گئے۔ دوسرے اجلاس کی صدارت مہاراجا کشن پرشاد شاد نے انجام دی۔ موصوف نے اقبال کی خدمت میں شاندار خراج تحسین پیش کیا اور فرمایا:

> حقیقت میں اقبال جس بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے وہ اس کا جائز حق ہے اور اس کا پیام فرزندانِ مشرق کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔ آئندہ نسلیں اس کا فیصلہ کریں گی کہ ہندوستان کی ادبی ناہمواری کی اصلاح اور قومی ترقی میں اس زندۂ جاوید شاعری کا کس قدر حصہ ہے۔
>
> ظلم ہوتا اگر مشرق اس باکمال شاعر کو اس کی زندگی میں کم سے کم خراج تحسین بھی ادا نہ کرتا۔ اور مجھے مسرت ہے کہ ہمارے اہل ملک دوسرے اقطاعِ ہندوستان سے پیچھے نہیں رہے اور کیونکر پیچھے رہتے جبکہ اہل علم وفن کی قدر اُن کا روایاتی شیوہ رہا ہے اور انھوں نے اقبال کا وہ فرض، جو علمی و ادبی حیثیت میں ان پر تھا، کسی حد تک ادا کر ہی دیا۔ میری دعا ہے کہ خدا سر اقبال کو بہت دن زندہ رکھے تاکہ ہندوستان ان کے نسخہ بیداری سے زندگی اور کامیابی کا درس حاصل کرتا رہے۔

اس واقعے کے صرف تین ماہ بعد اقبال ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال کر گئے۔ اس موقع پر تعزیت کا جو جلسہ حیدرآباد میں مسز سروجنی نائڈو کی صدارت میں ہوا، اس میں نواب بہادر یار جنگ، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر یوسف حسین خان، نواب مہدی یار جنگ، راجہ پرتاب گیر جی اور کیقباد جنگ نے تقریریں کیں۔ مگر مہاراجا صدمے کی شدت کے باعث شریک نہ ہوئے۔ البتہ جب ماہنامہ ''سب رس'' اقبال نمبر یکم جون کو ڈاکٹر زور نے شائع کیا تو اس کے لیے مہاراجا نے اپنے جذبات غم کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:

> ڈاکٹر سر اقبال فقیر کے مخلص دوست تھے۔ ان کی بے وقت مفارقت سے شعر وسخن کا ایک درخشاں ستارہ غروب ہو گیا۔ مرحوم نے فلسفے کی گتھیوں کو نظم کے ذریعے آسان اور عام فہم بنا دیا ہے۔ دنیا کی فضائیں ان کے منظوم نغموں سے گونجتی اور آنے والی نسلوں کے دلوں میں مرحوم کی یاد ہمیشہ تازہ کرتی رہیں گی۔

اقبال اور شاد کے درمیان عرصۂ دراز تک مراسلت رہی۔ غالباً اس کا آغاز اقبال کے قیام یورپ کے زمانہ ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء میں ہوا تھا۔ میرے خیال میں خط لکھنے کی پہل شاد نے کی تھی افسوس کہ یہ خطوط اب دستیاب نہیں ہیں۔ ڈاکٹر زور مرحوم نے بڑی محنت اور عرق فشانی سے اقبال اور شاد کی مراسلت پہلی مرتبہ ۱۹۴۲ء ''شاد اقبال'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کی۔ اس میں اقبال کا پہلا خط ۱۰/اکتوبر ۱۹۱۶ء اور آخری ۲۸/

دسمبر ۱۹۲۶ء کا ہے اس طرح شاد کا پہلا خط یکم نومبر ۱۹۱۶ء اور آخری ۴؍جنوری ۱۹۲۷ء کا ہے۔ ''شاد اقبال'' میں اقبال کے ۴۹ اور شاد کے ۵۲ خط موجود ہیں۔

جناب محمد عبداللہ قریشی صاحب مرحوم نے نہ معلوم کہاں سے اور کس طرح سے اقبال کے مزید پچاس خط شاد کے نام دریافت کئے۔ موصوف نے شاد کے نام اقبال کے ۹۹ خطوط مرتب کر کے ''اقبال بنام شاد'' میں شائع کیے (جون ۱۹۸۶ء بزم اقبال لاہور) اس کا ایک نسخہ قریشی صاحب نے اپنے دستخط سے میرے نام ارسال کیا تھا۔ کتاب میں اقبال کا پہلا خط یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء کو مرقومہ ہے۔ اس مجموعے میں ''شاد اقبال'' والی مراسلت بھی شامل ہے۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں بزرگوں میں کس قدر دوستانہ بے تکلفی اور خلوص کا جذبہ موجود تھا۔ خطوط سے دونوں کے نجی حالات پر بھی کماحقہٗ روشنی پڑتی ہے۔ اقبال اور شاد ایک دوسرے کے دکھ درد اور غمی وخوشی میں شریک رہتے تھے۔

اقبال کے نام شاد کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاد کی تین رانیاں اور چار بیگمیں تھیں۔ ہندو رانیوں کی اولاد اور مسلمان بیگمات کی اولاد مسلمان تھی۔ اسی مناسبت سے ان کی شادیاں کی گئیں اور رشتے جوڑے گئے۔ بعض رشتوں کے بارے میں اپنے دوست علامہ اقبال سے بھی مشورے کیے اور ان کو اعتماد میں لیا۔ وہ اقبال کو اپنا مخلص دوست اور خیر خواہ سمجھتے تھے۔ لڑکیوں کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لیے علامہ کو ۴؍جنوری ۱۹۲۳ء کے ایک طویل خط میں اپنی پریشانیوں کا حال بیان کیا ہے۔

اقبال کی کتاب ''پیام مشرق'' اوائل مئی ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ انہوں نے چھپتے ہی اس کا ایک نسخہ شاد کو بھیجا۔ انہیں کتاب پسند آئی اور انہوں نے اپنے تاثرات اقبال کے نام ۱۴؍مئی ۱۹۲۳ء کے خط میں بیان کیے ہیں (دیکھیے ''اقبال بنام شاد''، ص ۳۶۹) شاد، ''پیام مشرق'' سے اس قدر متاثر ہوئے اور انہوں نے قطعاتِ اقبال کے تتبع میں، خود قطعات تصنیف کیے اور خواجہ حسن نظامی کو مسودہ پیش کیا۔ جو ''پریم سنگم'' کے نام سے نومبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔ قطعات کا یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گذرا ہے۔ نمونے کے چند قطعات جناب عبداللہ قریشی نے نقل کیے ہیں۔ (''اقبال شاد''، ص ۲۶۔۲۸)

''بیاض شاد''۔ صفحہ ۷

شاد

افکار انجم بجواب اقبال از نتیجۂ فکر حضرت شاد صوفی مدّ ظلہ بتاریخ ۲۹ محرم ۱۳۴۲ھ روز سہ شنبہ بمقام مسند مبارک۔

خرد را عشق یک شب ایں چنیں گفت
منم بحرے کہ او را ساحلے نیست
شناور غرق می گردد بگرداب
بگردابش مقام و منزلے نیست

خنک آنکس کہ از عشقش نمود است
وجودِ او ورائے ہر وجود است
گر فتارِ کمندِ زلف یار است
زمام خود زبانش جملہ سود است

ز عشق او بہ سر بار گراں بہ
بزعم بو الہوس رازش نہاں بہ
بود پستیِ او از عشق اگر شاد
بچشم عاشق از اوج نہاں بہ

اگر عاشق ز عشق دوست خوار است
ز عشقش شہرتش در روزگار است
مپرس از عاشقان کہنہ مشقی
کہ کار عشق راست از پختہ کار است

فضل بہار

اقبال

۱

خیز کہ در کوہ و دشت خیمہ زد ابر بہار
مست ترنّم ہزار
طُوطی و درّاج و سار
بر طرف جو نثیار
کشتِ گل و لالہ زار
چشم تماشا بیار
خیز کہ در کوہ و دشت ، خیمہ زد ابر بہار

۲

خیز کہ در باغ وراغ ، قافلۂ گُل رسید
باد بہاراں و زید
مرغِ نوا آفرید

لالہ گریباں درید
حُسن گل تازہ چید
عشق غمِ نَو خرید
خیز کہ در باغ و راغ ، قافلۂ گل رسید

۳

بلبلگاں در صفیر ، صلصلگاں در خروش
خون چمن گرم جوش
اے کہ نشینی خموش
در شکن آئینِ ہوش
بادۂ معنی بنوش
نغمہ سرا ، گل بپوش
بلبلگاں در صفیر ، صلصلگاں در خروش

۴

حجرہ نشینی گذار ، گوشۂ صحرا گزیں
برلب جوئے نشیں
آب رواں را بہ بیں
نرگسِ ناز آفریں
لخت دل فرودیں
بوسہ زنش بر جبیں
حجرہ نشینی گذار، گوشۂ صحرا گزیں

۵

دیدۂ معنی کشا، اے زعیاں بے خبر
لالہ کمر در کمر
نیمۂ آتش بہ بر
می چکدش بر جگر
شبنم اشک سحر
در شفق انجم نگر
دیدۂ معنی کشا ، اے زعیاں بے خبر

۶

خاک چمن وا نمود ، رازِ دلِ کائنات
بود و نبودِ صفات
جلوہ گریہائے ذات
آنچہ تو دانی حیات
آنچہ تو خوانی ممات
ہیچ نہ دارد ثبات
خاک چمن وا نمود ، رازِ دلِ کائنات

شاد

''فصل بہار بجواب اقبال از نتیجۂ فکر حضرت شاد صوفی مدظلہ بتاریخ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند مبارک''

۱

در دلِ بے اختیار ، عشقِ تو کردہ قرار
جانِ غمت سوگوار
دردِ تو شد سازگار
دل چو بر آرد شرار
سینہ شود داغدار
رحم بکن اے نگار
در دل بے اختیار ، عشق تو کردہ قرار

۲

عشقِ تو تا دل گزید ، جاں زغمِ اُو تپید
چوں تو بتے کس نہ دید
عشق ترا آفرید
شیخ حرم شُد مُرید
برہمن آسا دوید
ہوش و حواسش رمید
عشق تو تا دل گزید ، جاں زغم اوتپید

۳

عاشقِ شیدائے تست ، مست می و درخروش

خم کدہ آمد بجوش
لطف کند می فروش
کرد اشارت بنوش
بادہ ربودست ہوش
گفت سروشم بگوش
عاشقِ شیدائے تُست، مست می و در خروش

۴

شیوۂ زاہد گزار ، جلوۂ دلدار بیں
پیش تو آں نازنیں
ہست چو ناز آفریں
پس گل حُسنش بچیں
بُوسہ بزن بر جبیں
جُز رُخِ زیبا مبیں
شیوۂ زاہد گزار ، جلوۂ دلدار بیں

۵

چشم نظارہ کُشا ، صنعتِ قدرت نگر
ہست صنم جلوہ گر
کن بجمالش نظر
در برت آید اگر
بوسئہ از لعلِ تر
گیر چو شہد و شکر
چشم نظارہ کُشا ، صنعتِ قُدرت نِگر

۶

چشم کُشا وَ ببیں ، چیست دریں کائنات
ہجر بود چوں مُمات
وصل نگارم حیات
جلوۂ اسم و صفات
ہست ز انوار ذات

دہر نہ دارد ثبات
چشم کُشا وَ ببیں ، چیست دریں کائنات

''پیام مشرق'' میں اقبال کی ایک نظم بعنوان ''نغمۂ ساربان حجاز'' ۸ بند میں شامل ہے۔ اس کے جواب میں شاد نے بھی بعنوان ''ترانہ دلدادۂ حجاز'' ایک نظم اتنے ہی بند میں کہی ہے۔ یہ ۱۰ صفر ۱۳۴۲ھ کو لکھی گئی تھی۔ دونوں نظموں سے پہلا بند درج کیا جاتا ہے:

اقبال
نغمہ ساربان حجاز
تیز ترک گامزن ، منزل ما دُور نیست
ناقۂ سیّار من
آہوئے تاتار من
درہم و دینار من
اندک و بسیار من
دولت بیدار من
تیز ترک گامزن ، منزل ما دور نیست

شاد
ترانہ دلدادۂ حجاز
منزل ما پیشِ ما، دلبرِ ما درونِ ما
دلبر ذی وقار من
لطف بحال زار من
رفت زِ دل قرار من
زور بیا نگارِ من
گرم بکن کنارِ من
منزل ما پیشِ ما، دلبر ما درونِ ما

اقبال نے ''لالہ طور'' کے عنوان کے تحت بہت سی رباعیاں ''پیام مشرق'' میں شامل کی ہیں۔ شاد نے بھی اقبال کے رنگ میں متعدد رباعیاں کہی ہیں۔ یہ بیاض شاد میں ذیل کے عنوان کے تحت درج ہیں:

''رباعیات بجواب باقی از نتیجہ فکر حضرت شاد۔ بتاریخ غرہ صفر ۱۳۴۲ھ روز پنجشنبہ بمقام مسند مبارک''

نمونے کے طور پر دو رباعیاں درج کی جاتی ہیں:

من شام و سحر کنم ترا از دل یاد
تا رحم کنی بحالم اے رَبِّ عباد
در شادی و غم چوں تو رفیقم ہستی
زینست کہ ہر وقت بدل ہستم شاد

☆

اے شاد بجانِ خود خبر باید کرد
یک روز ازیں راہ گزر باید کرد
واللہ کہ ایں جہاں سرائے فانیست
از دار فنا یقینِ سفر باید کرد

☆

لاہور میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور فروغ تعلیم کے لیے ۱۸۸۵ء میں ''انجمن حمایت اسلام'' کا ڈول ڈالا گیا تھا۔ اس کی نگرانی میں بے کس، یتیم اور لاوارث بچوں کے لیے ایک یتیم خانہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ انجمن کے جلسوں میں یتیموں کی پرورش اور تربیت کے واسطے شعراء چندے کی ترغیب اور لوگوں کو محظوظ کرنے کے لیے اپنے کلام کا نذرانہ پیش کرتے تھے۔ ایک جلسے میں اقبال نے ۳۵ بند کا ایک دل خراش مسدس ڈاکٹر نذیر احمد کی صدارت میں سنایا۔ جو بعد میں انجمن کی طرف سے ۱۹۰۰ء کی ابتداء میں شائع ہوا تھا۔ نظم کا عنوان ''نالۂ یتیم'' ہے۔ اقبال نے اسے ''بانگ درا'' سے حذف کر دیا۔

شاد حیدر آبادی نے اقبال کے تتبع میں نظم ''نالہ یتیم''، لکھی جو ''بیاض شاد'' (مخطوطہ) کے ص ۲۹ میں اس عنوان کے تحت درج ہے:

''نالۂ یتیم'' بجواب ڈاکٹر اقبال (از کتاب ''نالۂ یتیم'' مصنفہ اقبال) از نتیجۂ فکر حضرت شاد صوفی مدظلہ بتاریخ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ روز جمعہ بمقام مسند مبارک''

ذیل میں نظم کے چند بند درج کئے جاتے ہیں:

آہ! جو دل پہلے تھا پہلو میں اب وہ دل نہیں　　شمع مردہ رہ گئی جب درخور محفل نہیں
اور حیات جاودانی مرگ کے قابل نہیں　　طالبِ حق حُبِّ دنیا پر کبھی مائل نہیں
میں ترا دیوانہ ہوں دنیا میں گو فرزانہ ہوں
ہاں ازل سے میں فدائے طلعت جانانہ ہوں
عشق کیا آیا حواس و ہُوش سب جانے لگے　　خون دل پی پی کے ہم لخت جگر کھانے لگے
بادۂ توحید سے پھر نشّے میں آنے لگے　　کیفیت میں سارے راز معرفت پانے لگے
میرا یہ سینہ نہیں گنجینۂ اسرار ہے
اور دل پہلو میں جو ہے خانۂ دلدار ہے

خلقت انساں ہوئی ہے عشق یزداں کے لیے　　ہے مسیحا ذات اس کی خاص درباں کے لیے
وحشت دل آج ہے چاک گریباں کے لیے　　زُلف ورُخ دونوں بنے ہندو مسلماں کے لیے
رات دن ہنگامۂ ہستی میں ہیں مصروف ہم
زُلف کے سودائیوں میں آج ہیں معروف ہم

یہ دل خوباں طلب خو کردۂ حسرت نہیں　　عاشقِ درد آشنا دلدادۂ راحت نہیں
دامِ اُلفت سے ہو چھٹکارا کوئی صُورت نہیں　　حق سے دل کو ہے تعلّق غیر سے نسبت نہیں
ہے غبارِ خاطرِ عارف محبت غیر کی
کب موّحد کو نظر آتی ہے صورت غیر کی

باغ عالم ہیں نہیں چلتی مسرت کی ہوا　　دیکھ تو چشم بصیرت تو ذرا اب کر کے وا
اس فنا صورت جہاں کا ہو گیا نقشا نیا　　ایک اس کی ذاتِ واحد ہے ہمارا رہنما
کوئی مغموم اس جہاں میں کوئی شر میں کام ہے
بر سر بیداد ہر دم چرخ نیلی فام ہے

کون ہے جس کو بتاؤں اپنا یہ درد نہاں　　رنج وغم سے مجھ کو ملتی ہی نہیں فرصت یہاں
حسرت وارماں ہیں دل میں رات اور دن میہماں　　ہے فلک آمادہ مجھ سے تا کہ خواب امتحان
مجرم اظہار غم ہوں رحم کر مجھ پر خدا
عجز گویائی ہے گویا میرے دل کا مدعا

شعلۂ عشق اٹھ کے دل کی آگ کو بھڑکا گیا　　استخواں سب جل گئے ، مُنہ کو کلیجہ آ گیا
آتش پنہاں کا جب سر پر دھواں سب چھا گیا　　ایک دم میں یہ کرشمے اپنے وہ دکھلا گیا
کر دیا بے خانماں اور گھر سے بے گھر کر دیا
سینۂ پر داغ کو ہمرنگ مجمر کر دیا

اب اقبال کی نظم ''نالۂ یتیم'' کے ابتدائی چند بند ملاحظہ ہو۔ یہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے پندرھویں سالانہ جلسہ میں ۲۴ر فروری ۱۹۰۰ء کو زیر صدارت ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی کی زیر صدارت پڑھی گئی تھی۔ اقبال کی نظم کے تتبع میں کئی لوگوں نے اس موضوع پر نظمیں کہیں۔ ان میں آغا شاعر دہلوی قابل ذکر ہیں۔ اقبال نے ایسی دل خراش نظم ''بانگ درا'' میں شامل نہیں کی۔ ذیل میں نظم کے ابتدائی چند بند، جن سے شاد متاثر ہوئے اور اوپر کے بند اقبال کی تقلید میں لکھے تھے، درج کئے جاتے ہیں:

آہ! کیا کہیے کہ اب پہلو میں اپنا دل نہیں　　بجھ گئی جب شمعِ روشن در خور محفل نہیں
اے مصافِ نظم ہستی ، میں ترے قابل نہیں　　نا اُمیدی جس کو طے کرے، یہ وہ منزل نہیں
ہائے کس منہ سے شریک بزم میخانہ ہوں میں
ٹکڑے ٹکڑے جس کے ہو جائیں ، وہ پیمانہ ہوں میں

خار حسرت غیرتِ نُوکِ سناں ہونے لگا　　یوسف غم زینت بازار جاں ہونے لگا
دل مرا شرمندۂ ضبطِ فُغاں ہونے لگا　　نالۂ دل روشناسِ آسماں ہونے لگا
کیوں نہ وہ نغمہ سرائے رشک صد فریاد ہو
جو سرودِ عندلیبِ گلشن برباد ہو

پنجۂ وحشت بڑھا چاک گریباں کے لیے　　اشکِ غم ڈھلنے لگے پابوسِ داماں کے لیے
مضطرب ہے یوں دل نالاں بیاباں کے لیے　　جس طرح بُلبُل تڑپتا ہے گُلستاں کے لیے
لیں گے ہم ہنگامۂ ہستی میں اب کیا بیٹھ کر
روئیے جا کر کسی صحرا میں تنہا بیٹھ کر

قابل عشرت دل خُو کردۂ حسرت نہیں　　در خورِ بزم طرب شمع سرِ تُربت نہیں
زیر گردوں شاہد آرام کی صورت نہیں　　غیر حسرت غازۂ رخسارۂ راحت نہیں
صبح عشرت بھی ہماری غیرت صد شام ہے
ہستی انساں غبار خاطرِ آرام ہے

ہے قیام بحر ہستی جذر و مد اسلام کا　　گاہے گاہے آ نکلتی ہے مسرت کی ہوا
زندگی کو نورِ الفت سے ملی جس دم ضیا　　لے کے طوفان ستم ابر تغیر آ گیا
ہے کسی کو کام دل حاصل کوئی ناکام ہے
اس نظارہ کا مگر خاک لحد انجام ہے

نُطق کر سکتا نہیں کیفیّت غم کو عیاں　　اس کی تیزی کو مٹا دیتے ہیں انداز بیاں
آ نہیں سکتی زباں تک رنج وغم کی داستاں　　خندہ زن میرے لبِ گویا پہ ہے درد نہاں
عجز گویائی ہے گویا حکم قید خامشی
مُجرم اظہار غم کو یہ سزا ملنے لگی

یادِ ایّام سلف ، تو نے مجھے تڑپا دیا　　آہ اے چشم تصور تو نے کیا دکھلا دیا
اے فراق رفتگاں یہ تو نے کیا دکھلا دیا　　درد پنہاں کی خلش کو اور بھی چمکا دیا
رہ گیا ہوں دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر
کچھ مداوا اس مرض کا اے دل ناکام کر

☆☆☆

کتابیات

مقالے کی تیاری میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔ ''اقبال بنام شاد'' مرتبہ محمد عبداللہ قریشی، بزم اقبال، لاہور، جون ۱۹۸۶ء
۲۔ ''باقیات اقبال''۔ آئینہ ادب، انارکلی، لاہور، طبع سوم ۱۹۷۸ء
۳۔ ''زمانہ'' کانپور، جلد ۶۱، نمبر ۴، اکتوبر ۱۹۳۳ء
۴۔ ''سیر پنجاب'' مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ، ۱۹۲۳ء
۵۔ ''مخزن''، لاہور۔ بابت جون ۱۹۱۰ء
۶۔ ''دکن ریویو''۔ بابت اگست ۱۹۰۴ء (ایڈیٹر: ظفر علی خان)
۷۔ ''اقبال نامہ'' جلد اوّل مرتبہ شیخ عطا اللہ، ۱۹۴۵ء
۸۔ ''زمانہ'' کانپور، جلد ۵۲ نمبر ۲ بابت فروری ۱۹۲۹ء
۹۔ ''مخزن''، لاہور۔ سال گرہ نمبر۔ بابت مارچ ۱۹۲۹ء
۱۰۔ ''شاد اقبال'' مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور۔ اسٹیم پریس حیدر آباد۔ ۱۹۴۲ء
۱۱۔ ''پیام مشرق''۔ طبع اوّل مئی ۱۹۲۳ء
۱۲۔ ''آفتاب جھالرواڑ راجپوتانہ''۔ ستمبر ۱۹۳۱ء
۱۳۔ مخطوطہ ''بیاض شاد''۔ اقبال لائبریری، سری نگر۔
۱۴۔ ''محرم نامہ'' خواجہ حسن نظامی
۱۵۔ ''مہاراجا کشن پرشاد شاد'' مرتبہ نواب مہدی نواز جنگ، ۱۹۵۰ء
۱۶۔ ''اقوال حضرت علیؓ''۔ ۱۹۲۲ء

(نوٹ)۔ جب اقبال جنوری ۱۹۲۹ء میں مدارس سے حیدر آباد گئے تو انہوں نے انگریزی میں لیکچر دئے۔ اردو کے مشہور ادیب اور ''گلابی اردو'' کے موجد ملّا رموزی کو اقبال کا انگریزی میں لیکچر دینا پسند نہیں آیا۔ وہ ''مخزن'' سالگرہ نمبر بابت مارچ ۱۹۲۹ء کے صفحہ ۸ میں ''شذرات و اشارات'' کے تحت اقبال پر اس طرح تنقید کرتے ہیں:

> پچھلے دنوں جب حضرت علاّمہ سر اقبال جنوبی ہند کے دورہ پر تھے اور ''اسلام و اسلامیات'' پر اپنے محققانہ خطبات پڑھ رہے تھے تو اسی عرصے میں حیدر آباد بھی تشریف لے گئے اور وہاں کے باشندوں کو بھی ممدوح گرامی نے اپنے عالمانہ خیالات سے مستفید فرمایا۔ اس موقع پر حیدر آباد کے روشن خیال باشندوں نے حضرت علاّمہ سے درخواست کی کہ ممدوح اپنے عالمانہ اور گراں منزلت خیالات کو زبان اردو میں ظاہر فرماویں۔ مگر حضرت ممدوح نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ تمام خطبات

کی زبان انگریزی رکھی۔ ممکن ہے یہ واقعہ حضرت علاّمہ کو کسی ''سخت مجبوری'' کے باعث ہوا ہو۔ لیکن حامیان اردو اور خود حضرت علاّمہ کے لیے یہ واقعہ نہایت سخت افسوسناک اور مایوس کن ہے جبکہ ممدوح کا شمار بھی انہیں چند برگزیدہ افراد میں ہے جن کے فیض خیال وقلم سے ادب اردو بہاریں پا رہا ہے۔ امید ہے کہ علاّمہ ایسے مواقع پر زبان اردو کو فراموش نہ فرمائیں گے۔

☆☆☆

حواشی

۱۔ قیام حیدر آباد کے زمانے میں راقم حروف نے ادبیات اردو کے بے مثال کتب خانے میں شعبۂ میوزیم کے شلف نمبر ۳ سے علاّمہ اقبال کے ان خطوط کے عکس حاصل کیے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً شاد کو لکھے تھے۔ تفصیلات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ۵/جنوری ۱۹۱۷ء۔ ۲۔ ۳۰/جون ۱۹۱۷ء۔ ۳۔ ۲۰/جنوری ۱۹۱۸ء۔ ۴۔ ۱۰/اپریل ۱۹۱۸ء۔
۵۔ ۲۶/جنوری ۱۹۱۹ء۔ ۶۔ ۲۱/فروری ۱۹۱۹ء۔ ۷۔ ۲۹/مارچ ۱۹۱۹ء۔ ۸۔ ۲۵/اپریل ۱۹۱۹ء
۹۔ ۱۷/ستمبر ۱۹۱۹ء۔ ۱۰۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۱۹ء۔ ۱۱۔ ۲/اکتوبر ۱۹۲۳ء۔ ۱۲۔ ۲۴/اکتوبر ۱۹۲۳ء۔
۱۳۔ ۲۷/اکتوبر ۱۹۲۳ء۔ ۱۴۔ ۱۴/جنوری ۱۹۲۴ء۔ ۱۵۔ ۱۱/جنوری ۱۹۲۷
۱۶۔ قطعہ تاریخ تقرر مہاراجا بر وزارت عظمیٰ دولتِ آصفیہ۔